Al-Raqim
(Research Journal of Islamic Studies)
Publisher: Department of Islamic Studies,
The Islāmia University of Bahāwalpur, Rahīm Yār Khān Campus, Pakistan
Email: editor.alraqim@iub.edu.pk

ISSN (Print): 3006-2225 ISSN (Online): 3006-2233	Volume 04, Issue 01 January-June 2026	Open Access at: https://journals.iub.edu.pk/index.php/alraqim/index

مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب "سیرت رسول ﷺ کے عملی پہلو" میں سیرت کے انقلابی و تحریکی پہلو

The Revolutionary and Movement-Oriented Aspects of the Seerah in Maulana Abul Kalam Azad's Book Practical Aspects of the Life of the Prophet (PBUH)

Saeed Ur Rahman
Ph.D scholar, Department of Islamic Studies and Arabic Gomal University, Dera Ismail Khan
Email: saeedalvi46@gmail.com
Dr. Hafiz Abdul Majeed
Assosiate Professor, Department of Islamic Studies and Arabic Gomal University, Dera Ismail Khan
Email: drhafizabdulmajed@gmail.com

Received:	Revised:	Accepted:	Published:
Feb. 25, 2026	March 09, 2026	Mar 18, 2026	Mar 30, 2026

"Citation: Rahman, Saeed Ur, Majeed, Dr. Hafiz Abdul, "The Revolutionary and Movement-Oriented Aspects of the Seerah in Maulana Abul Kalam Azad's Book Practical Aspects of the Life of the Prophet (PBUH)" *Al-Raqīm (Research Journal of Islamic Studies)* 4, no. 1 (2026): 203-217

Abstract

This study examines the revolutionary and activist dimensions of the Sīrat of the Prophet Muḥammad (PBUH) as interpreted by Maulānā Abū al-Kalām Āzād, with particular reference to his work Sīrat-e Rasūl ke ʿAmalī Pehlū. The study explores Āzād's understanding of the Sīrat as a dynamic and practical framework for individual transformation, moral development, social reform, collective organization, and constructive activism. According to Āzād, the Sīrat of the Prophet (PBUH) is not merely a historical record or a collection of devotional narratives; rather, it provides a

Department of Islamic Studies, IUB, RYK Campus, Pakistan.
Copyright © 2026 The Author(s). No conflict. CC BY 4.0 license.

comprehensive practical model for shaping both the individual and society. He particularly emphasizes those aspects of the Prophetic life that cultivate action, perseverance, self-confidence, a sense of purpose, and social responsibility.

The study further demonstrates that Āzād understands genuine revolution not simply as a change in political authority, but as a comprehensive process of intellectual, ethical, spiritual, and social transformation. In his interpretation of the Prophetic struggle, leadership, consultation (shūrā), discipline, sacrifice (īthār), perseverance (ṣabr), steadfastness (istiqāmat), and collective responsibility emerge as essential principles of successful reformative and activist movements. He presents the Prophet's (PBUH) Daʿwah and struggle as a practical example of sustained commitment in the face of opposition and difficulties, emphasizing that temporary setbacks are natural stages in the pursuit of higher objectives.

The study also finds that Āzād seeks to develop among Muslims a sense of self-confidence, responsibility, and active engagement with contemporary challenges. His interpretation discourages mere glorification of the Muslim past and instead calls for practical guidance from the Prophetic model in addressing present-day intellectual, moral, and social problems. The findings indicate that movement, struggle, reform (iṣlāḥ), sacrifice, unity (ittiḥād), leadership (qiyādah), ethical character (akhlāq), and collective responsibility constitute the central elements of Āzād's activist interpretation of the Sīrat. His approach is therefore not based on emotional enthusiasm alone but on the integration of sound thought, ethical character, and practical strategy. The study concludes that Sīrat-e Rasūl ke ʿAmalī Pehlū presents the Prophetic Sīrat as an enduring source of intellectual, moral, and practical guidance for constructive social transformation and contemporary reformative movements.

Keywords:

Sīrat, Maulānā Abū al-Kalām Āzād, Sīrat-e Rasūl ke ʿAmalī Pehlū, Prophetic Model, Revolutionary Thought, Islamic Reform, Social Transformation, Activism, Leadership, Collective Responsibility.

تعارف:

سیرت نگاری کا آغاز حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد عربی زبان میں ہوا۔ ابتدائی دور میں لکھی جانے والی معروف کتب، جیسے سیرت ابن اسحاق اور سیرت ابن ہشام، بعد کے زمانوں میں مختلف زبانوں میں لکھی جانے والی سیرت کی کتابوں کے لیے بنیادی مآخذ ثابت ہوئیں۔ ان کتابوں کے اردو تراجم بھی کیے گئے، جبکہ بعض اہم فارسی کتب سیرت بھی اردو میں منتقل ہوئیں۔ اردو ادب میں منظوم سیرت نگاری کا آغاز گیارہویں صدی ہجری میں ہوا، جبکہ نثری سیرت نگاری نے تیرہویں صدی ہجری میں باقاعدہ فروغ پایا۔ اسلامی علوم میں سیرتِ رسول ﷺ پر جتنا وسیع اور متنوع علمی سرمایہ موجود ہے، شاید ہی کسی دوسرے موضوع پر اتنا کام کیا گیا ہو۔ اگر دیگر اسلامی علوم، جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، علمِ رجال اور علمِ کلام کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سیرتِ طیبہ پر لکھی جانے والی تصانیف کی تعداد ان سب سے زیادہ ہے۔ اسی طرح اردو زبان میں بھی سیرت نگاری کی ایک مضبوط اور بھرپور روایت قائم ہوئی۔ اردو کے رائج ہونے کے بعد سے آج تک سیرتِ نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر ہزاروں کتابیں تصنیف کی جا چکی ہیں۔ محققین کے مطابق عربی کے بعد دنیا میں سیرت کے علمی ذخیرے کے اعتبار سے اردو زبان کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ ڈاکٹر محمد میاں صدیقی بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اردو زبان میں سیرت نگاری کی وسعت اور اہمیت کو نمایاں قرار دیتے ہیں۔

> "یہ کہنا مبالغے سے خالی نہ ہو گا کہ عربی کے بعد، جو خود صاحب سیرت کی زبان ہے، سیرت کے حوالے سے سب سے زیادہ لٹریچر اردو زبان میں ہے۔ جب کہ اردو زبان کی اپنی تاریخ دو سو سال سے زیادہ پر محیط نہیں ہے۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے مسلم اہل علم نے صدیوں میں چودہ صدیوں کا فاصلہ طے کیا ہے"۔[1]

> برصغیر میں اردو سیرت نگاری کا دور محمد باقر آگاہ (ولادت: ۱۱۵۸ھ / ۱۷۴۵ء، وفات ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء) کی کتاب "ریاض السیر" سے شروع ہوتا ہے۔ یہ کتاب دکنی اردو میں تحریر کی گئی۔ سیرت کی اس کتاب کے تین قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد (انڈیا) میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر انور محمود خالد اس تصنیف سے متعلق لکھتے ہیں: "اس کتاب کا ماخذ عربی کتب اور اسلوب بھی وہی ہے۔ اس کی زبان سادہ عام فہم اور رواں ہے۔ مقصد لوگوں کو آسان زبان میں سیرت کی رسائی ہے"۔[2]

بعد ازاں یہ سلسلہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر گیا ہے اور برصغیر میں اردو کے ساتھ دیگر زبانوں میں بھی سیرت کی کتب شائع ہونے لگیں۔ بیسویں صدی کے ایک اہم سیرت نگار مولانا ابوالکلام آزاد بھی ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا 11 نومبر 1888ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولانا خیر الدین ایک مشہور عالم تھے جن کا تعلق کلکتہ سے تھا۔ ابوالکلام آزاد نے اپنے علمی اور دینی سفر کا آغاز کم عمری میں کیا اور عربی، فارسی، اردو، فلسفہ، منطق، فقہ اور تفسیر میں مہارت حاصل کی۔ مولانا آزاد نے جریدہ "الہلال" کے ذریعے برصغیر میں مسلمانوں کے اندر

سیاسی شعور اور قومی اتحاد کو فروغ دیا۔ ان کی تحریریں، خاص طور پر قرآن فہمی، سیرتِ رسولؐ اور اصلاحِ معاشرہ کے موضوعات پر بہت اثر انگیز تھیں۔

ان کے مضامین میں مذہبی روحانیت اور سیاسی بیداری دونوں کا امتزاج پایا جاتا ہے۔ کانگریس کے سرگرم رہنما تھے اور ہندو مسلم اتحاد کے قائل تھے۔ گاندھی جی کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے۔ 1942ء میں بھارت چھوڑو تحریک کے دوران کانگریس کے صدر رہتے تھے۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں مگر آزادی کے لیے جدوجہد جاری رکھی۔ آزاد ہندوستان کے پہلے وزیرِ تعلیم مقرر ہوئے۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی اور دیگر تعلیمی اداروں کے قیام میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ہندوستان میں سائنسی اور فنی تعلیم کے فروغ کے لیے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں۔ تفسیر ترجمان القرآن ان کی دینی و فکری بصیرت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ خودنوشت "آزاد کی کہانی، آزاد کی زبانی" اور "غبارِ خاطر" (قید کے دوران لکھے گئے خطوط) ان کی نثر کے شاہکار ہیں۔ ان کی تحریروں میں سلاست، فصاحت اور بلاغت کے ساتھ ایک فکری گہرائی بھی پائی جاتی ہے۔ 1958ء میں دہلی میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ مولانا آزاد کو برصغیر کی تاریخ میں ایک ایسی ہمہ جہت شخصیت کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

ان کی کتاب "سیرت رسول کے عملی پہلو"، حضور اکرم ﷺ کی زندگی کو ایک عملی نمونہ کے طور پر پیش کرتی ہے، اور یہ دکھاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت صرف ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ آج بھی ایک زندہ رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ ان کی مذکورہ بالا تصنیف "سیرت رسول کے عملی پہلو" میں مولانا آزاد نے نبی کریم ﷺ کی ذات کو ایک مثالی قائد، مدبر، مبلغ، سپہ سالار، اور معاشرتی مصلح کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان کا اسلوب علمی، دلائل سے بھرپور اور فصاحت و بلاغت کا نمونہ ہے۔ مولانا آزاد کی تحریر قاری کو سیرت نبوی ﷺ کو موجودہ دور کے مسائل پر منطبق کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ میاں مختار احمد کھٹانہ لکھتے ہیں:

> "مولانا آزاد نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھا، اس کا حق کر دیا۔ تفسیر قرآن اور سیرت طیبہ مولانا کے کاص موضوع رہے ہیں۔ مولانا آزاد ہر معاملے پر غور و خوص کرتے وقت اس کے فطری پہلو کو کاص طور پر مد نظر رکھتے ہیں۔ آپ سیرت طیبہ کے ہر پہلو کو اپنے حسنِ بیان سے مزاین کر کے یوں تحریر میں منضبط کرتے ہیں کہ قاری سیرت کی ان تجلیات میں پوری انہاک کے ساتھ محو ہو جاتا ہے۔ مولانا آزاد کو زبان و بیان کی ندرت پر جو ملکہ حاصل ہے وہ انھیں دوسروں سے ممتاز کرتا ہے"۔[3]

"سیرتِ رسول ﷺ کے عملی پہلو" میں ہمیں ایک مکمل ضابطۂ حیات ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے ہر گوشے میں عملی نمونہ پیش کیا گھر کے معاملات ہوں یا معاشرتی تعلقات، عبادت کے امور ہوں یا حکومتی نظم و نسق، میدانِ جنگ ہو یا امن و صلح کی سفارت کاری، ہر جگہ آپ کی سیرت انسانیت کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے عدل و انصاف قائم کیا، مساوات کا درس دیا، عورتوں، غلاموں اور کمزور

طبقات کو عزت اور حقوق دیے۔ معاملات میں دیانت، گفتار میں صداقت اور کردار میں پاکیزگی آپ کی عملی زندگی کا بنیادی جزو تھے۔ یہی پہلو سیرت کو صرف ایک نظریاتی یا اخلاقی نمونہ نہیں بناتے بلکہ ایک مکمل عملی ضابطہ حیات کی صورت میں پیش کرتے ہیں جس پر چل کر انسان فرداً فرداًاور اجتماعی طور پر کامیابی پا سکتا ہے۔ مولانا آزاد کی شخصیت اور ان کی کتاب "سیرت رسول کے عملی پہلو" کے اجمالی جائزہ کے بعد اس کتاب کے انقلابی اور تحریکی پہلوؤں کا ذیل میں جائزہ لیتے ہیں۔

ا۔ دعوت مبارزت:

مذکورہ بالا کتاب کے انقلابی اور تحریکی پہلوؤں میں سے ایک اہم پہلو کتاب کے انداز تحریر میں دعوت مبارزت کا وصف ہے۔ "دعوتِ مبارزت" ایک ادبی و فکری اصطلاح ہے جس سے مراد ایسی دعوت یا پیغام ہے جو محض اصلاح و تبلیغ تک محدود نہ ہو بلکہ ظلم، ناانصافی اور باطل قوتوں کے خلاف عملی جدوجہد اور مزاحمت کی طرف بھی ابھارتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت ایک زبردست روحانی و سماجی انقلاب تھی۔ آپ ﷺ نے جاہلیت کے نظام کو چیلنج کیا، انسانیت کو عدل، اخوت، مساوات اور توحید کا پیغام دیا۔ یہ ایک کامل انقلابی عمل تھا۔ انقلابی پہلو وہ طاقتور رخ ہے جو ظلم و جبر کے خلاف بغاوت کرتا ہے، حق کے قیام کے لیے جدوجہد کرتا ہے، اور معاشرے میں بنیادی مثبت تبدیلی کا محرک بنتا ہے۔

> "خدا کے نام پر خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو اللہ کے نافرمان ہیں لیکن خیانت اور بدعہدی نہ کرو۔ مقتولوں کے ناک اور کان نہ کاٹے جائیں، جس کا عرب میں دستور تھا نہ بچوں کو قتل کیا جائے۔ فوج رخصت ہوتی تو فرماتے: میں تمہارے فرض کو، تمہاری امانت کو اور نتائج اعمال کو خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ معمول تھا، دشمن پر رات کے وقت حملہ نہ کرتے۔ اگر صبح کے وقت حملے کا اتفاق نہ ہو تا تو دوپہر ڈھلے حملہ کرتے۔ مقام فتح پر انتظامات کے لیے کم از کم تین روز قیام فرماتے۔ فتح کی خبر سنتے ہی سجدۂ شکر ادا کرتے۔"۔[4]

اس اقتباس میں دعوتِ مبارزت کا تصور براہِ راست اس جملے میں نمایاں ہوتا ہے کہ "خدا کے نام پر خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو اللہ کے نافرمان ہیں"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کا مقصد ذاتی انتقام یا ظلم نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں حق و باطل کے مقابلے کا قیام تھا۔ تاہم سیرتی روایت کے مطابق دعوتِ مبارزت محض جنگ کی ترغیب نہیں بلکہ میدانِ جنگ میں مقابلے کے لیے دشمن کو آمادہ کرنے اور حق کی قوت کا اظہار کرنے کا ایک باقاعدہ طریقہ تھا۔ عبارت کے دیگر حصوں میں جنگی اخلاقیات، عہد و امانت کی پاسداری، عورتوں اور بچوں کے تحفظ اور دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی سے اجتناب کی ہدایات اس امر کو واضح کرتی ہیں کہ اسلامی جنگی تصور میں مبارزت بھی اخلاقی اور اصولی حدود کے تابع تھی۔ یوں یہاں دعوتِ مبارزت کا مقصد ظلم و تشدد نہیں بلکہ حق کے دفاع، شجاعت کے اظہار اور اسلامی جنگی اصولوں کی پابندی کے ساتھ مقابلۂ حق و باطل کو نمایاں کرنا ہے۔

۲۔ پر تاثیر الفاظ کا چناؤ:

دعوت و تبلیغ میں پر تاثیر اور دل نشین الفاظ محض بات پہنچانے کا ذریعہ نہیں، بلکہ مخاطب کا دل جیتنے اور اس کی زندگی میں مثبت تبدیلی لانے کا نام ہیں۔ داعی کے الفاظ میں خلوص اور لہجے میں ایسی دردمندی ہونی چاہیے جو سیدھی سننے والے کے دل میں اتر جائے۔ نرم اور مؤثر گفتگو لوگوں کی ہٹ دھرمی کو ختم کر کے ان کے دلوں کے بند دروازے کھول دیتی ہے، جس سے سچی بات ایک عام سی گفتگو کے بجائے دلوں پر گہرا اثر چھوڑنے والی پکار بن جاتی ہے۔ دعوت کے لیے آپ ﷺ کے الفاظ کا چناؤ بھی بے مثال تھا۔ مولانا ابو الکلام آزاد اسی پُر تاثیر انداز کو جسے قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔

﴿قُل لَّوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُم بِهِ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾[5]

"تم فرماؤ: اگر اللہ چاہتا تو میں تمہارے سامنے اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ تمہیں اس سے خبر دار کرتا تو بیشک میں اس سے پہلے تم میں اپنی ایک عمر گزار چکا ہوں تو کیا تمہیں عقل نہیں؟"

مولانا ابو الکلام آزاد یوں بیان کرتے ہیں:

"ساری باتیں چھوڑ دو، اس بات پر غور کرو کہ میں تم میں نیا آدمی نہیں، جس کے خصائل وحالات کی تمہیں خبر نہ ہو۔ تم ہی میں سے ہوں اور اعلانِ وحی سے پہلے ایک عمر تم میں بسر کر چکا ہوں۔ یعنی چالیس برس تک کی عمر کہ عمرِ انسانی کی پختگی کی کامل مدت ہے۔ اس تمام مدت میں میری زندگی تمہاری آنکھوں کے سامنے رہی۔ بتلاؤ اس میں کوئی ایک بھی بات تم نے سچائی اور دیانت کے خلاف دیکھی؟ پھر اگر اس تمام مدت میں مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ انسانی معاملے میں جھوٹ بولوں تو کیا اب ایسا ہو سکتا ہے کہ خدا پر بہتان باندھنے کے لیے تیار ہو جاؤں اور جھوٹ موٹ کہنے لگوں، مجھ پر اس کا کلام نازل ہوتا ہے؟ کیا اتنی چھوٹی سی بات بھی تم نہیں سمجھ سکتے؟۔"[6]

اس اقتباس میں پر تاثیر الفاظ کے چناؤ کے ذریعے استدلال کو نہایت مضبوط اور موثر بنایا گیا ہے۔ نیا آدمی نہیں، خصائل وحالات، چالیس برس، سچائی، دیانت، جھوٹ، خدا پر بہتان اور اس کا کلام نازل ہوتا ہے جیسے الفاظ عبارت کے بنیادی مفہوم کو واضح اور موثر بناتے ہیں۔ خصوصاً سچائی اور دیانت کے مقابل جھوٹ اور بہتان جیسے الفاظ معنوی تضاد پیدا کر کے پیغام کی شدت میں اضافہ کرتے ہیں۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے رہی، کا فقرہ مخاطبین کو براہِ راست ان کے سابقہ مشاہدے کی طرف متوجہ کرتا ہے، جبکہ بتلاؤ اور، کیا تم نہیں سمجھ سکتے؟' جیسے استفہامی الفاظ قاری اور مخاطب کو غور و فکر پر مجبور کرتے ہیں۔ اسی طرح چالیس برس کا ذکر آپ ﷺ کی طویل اور پاکیزہ زندگی کو دلیل کے طور پر پیش

کرتا ہے۔ یوں سادہ مگر جامع، واضح اور معنی خیز الفاظ کے انتخاب نے عبارت میں حجت، یقین، صداقت اور تاثیر پیدا کر دی ہے اور اسلوبِ بیان کو مؤثر خطیبانہ رنگ عطا کیا ہے۔

۳۔ زبان و بیان:

زبان و بیان سے مراد خیالات، جذبات اور افکار کو مؤثر، واضح اور دلنشیں انداز میں پیش کرنے کا فن ہے۔ ادب اور نثر میں زبان و بیان کی اہمیت اس لیے مسلم ہے کہ یہی کسی مصنف کے اسلوب، فکری گہرائی اور قاری پر اثر پذیری کا بنیادی ذریعہ بنتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں حقیقی مسکین کے تعارف میں فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

"لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، وَلَكِنْ الْمِسْكِينُ الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ وَلَا يُفْطَنُ بِهِ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ وَلَا يَقُومُ فَيَسْأَلُ النَّاسَ"[7]

مولانا ابو الکلام آزاد اس کا ترجمہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے پیچھے پھرے۔ کہاں سے ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک کھجور، دو کھجوریں مل جائیں تو دوسرے دروازے پر چلا جائے۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہیں کہ ضروریات سے بے نیاز کر دے۔ نہ کوئی اس کا حال جانتا ہے کہ صدقہ دے۔ نہ وہ اٹھ کر لوگوں سے کچھ مانگتا ہے۔ ایک موقع پر تین چیزوں کو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ قرار دیا:"۔[8]

یہاں زبان و بیان کی خوبی سادگی، وضاحت، برجستگی اور مؤثر اندازِ اظہار کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے۔ "مسکین وہ نہیں جو لوگوں کے پیچھے پھرے" کے الفاظ سے بات کا آغاز نہایت واضح اور دوٹوک انداز میں کیا گیا ہے، جس کے بعد "ایک لقمہ یا دو لقمے، ایک کھجور، دو کھجوریں" کی تکرار کے ذریعے محتاجی کی عملی تصویر سامنے آتی ہے۔ یہ اندازِ بیان عبارت کو عام فہم اور مؤثر بناتا ہے۔ نہ کوئی اس کا حال جانتا ہے کہ صدقہ دے، نہ وہ اٹھ کر لوگوں سے کچھ مانگتا ہے" جیسے الفاظ کی ترتیب اور جملوں کی متوازن ساخت سے بیان میں روانی اور زور پیدا ہوا ہے۔ مختصر جملوں، روزمرہ الفاظ اور براہِ راست طرزِ خطاب نے مفہوم کو پیچیدہ ہونے سے بچایا ہے۔ یوں عبارت کی زبان سادہ ہونے کے باوجود نہایت بلیغ اور اثر انگیز ہے، جو مسکین کی حقیقی حالت اور خودداری کے تصور کو قاری کے ذہن میں واضح طور پر اجاگر کرتی ہے۔

۴۔ عملی، اخلاقی اور سماجی جامعیت میں ذوق و شوق کا پہلو:

سیرت طیبہ انسانیت کے لیے محض کوئی نظریاتی فلسفہ نہیں، بلکہ عملی، اخلاقی اور سماجی اقدار کا ایک کامل اور زندہ جاوید نمونہ ہے۔ آپ ﷺ نے انفرادی اخلاق کی بلندی، عائلی معاملات کے حسن اور معاشرتی مساوات کو اپنی ذاتِ مبارکہ میں جس طرح یکجا کیا، وہ سیرتِ نبوی کی بے نظیر جامعیت کا واضح ثبوت ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر عمل خودداری، عدل، اور شفقت کے ایسے سنہرے اصولوں پر مبنی تھا جس میں ادنیٰ

واعلیٰ کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ سیرتِ پاک کی اسی ہمہ گیر اور مکمل جامعیت کا نہایت دلکش اور واضح عکس مولانا ابولکلام آزاد کے ذیل اقتباس میں بخوبی نظر آتا ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے حسنِ معاملہ، عدل و انصاف، مہمان نوازی کے معیار قائم کیے۔ آپ ﷺ شرم و حیاء، عزم و استقلال اور شجاعت کا پیکر تھے۔ خانگی زندگی کا بہترین نمونہ حضور ﷺ نے پیش کیا اور ازواج سے اچھے برتاؤ کے بارے میں بار بار تاکید فرمائی۔ فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہے جو اہل خانہ کے لیے بہتر ہے۔۹ چرند و پرند سب پر شفقت فرماتے۔ دوسروں کے کام کر دینے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے اور اس میں ادنیٰ اعلیٰ کی کوئی تمیز نہ تھی۔ کسی کا بھی احسان لینا گوارا نہ تھا۔ حضرت ابو بکرؓ سے بڑھ کر جان نثاری کا دعویٰ کون کر سکتا ہے۔ جن کے لیے فرمایا کہ ان کے مال اور صحبت کا میں سب سے زیادہ ممنون ہوں۔ تاہم ہجرت کے موقع پر حضرت ابو بکرؓ نے جو ناقہ آپ ﷺ کے لیے پالی تھی، وہ نذر کرنی چاہی تو آپ ﷺ نے قیمت دے کر خریدی۔۱۰ مسجدِ النبی ﷺ کی زمین مالک اور ان کے سرپرست ہبہ کر دینے پر اصرار کرتے رہے مگر آپ ﷺ نے قیمت دے کر لی۔"[9]

اس اقتباس میں ذوق و شوق کی افزائش کا پہلو حضور اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے مختلف عملی اوصاف اور حسنِ کردار کے بیان سے نمایاں ہوتا ہے۔ حسنِ معاملہ، عدل و انصاف، مہمان نوازی، شرم و حیا، عزم و استقلال، شجاعت، اہلِ خانہ سے حسنِ سلوک اور چرند و پرند سے شفقت جیسے اوصاف قاری کے دل میں سیرتِ نبوی ﷺ سے محبت، عقیدت اور اتباع کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ خصوصاً گھریلو زندگی میں حسنِ اخلاق کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بے مثال جان نثاری کے باوجود حضور ﷺ کا ان کی پیش کردہ سواری کو بطورِ ہبہ قبول کرنے کے بجائے قیمت ادا کر کے خریدنا آپ ﷺ کی خودداری، اصول پسندی اور دوسروں پر احسان نہ رکھنے کی صفت کو نمایاں کرتا ہے۔ مسجدِ نبوی ﷺ کی زمین کے معاملے میں بھی قیمت ادا کرنا آپ ﷺ کے عدل و دیانت کا مظہر ہے۔ ان واقعات کے موثر بیان سے قاری کے دل میں حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس کے لیے محبت، عقیدت، احترام اور پیروی کا شوق بیدار ہوتا ہے، یوں عبارت سیرتِ نبوی ﷺ سے ذوق و شوق کی افزائش کا موثر ذریعہ بن جاتی ہے۔

۵۔ روحانی اور فکری بیداری:

روحانی بیداری سے مراد انسان کا اپنی روحانی حقیقت کو پہچاننا، اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنا، اخلاقی پاکیزگی اختیار کرنا اور زندگی کے بلند مقاصد کو سمجھنا ہے۔ اور فکری بیداری سے مراد انسان کا غور و فکر، صحیح اور غلط میں فرق کرنے کی صلاحیت، حقیقت کی تلاش اور فرسودہ

خیالات سے نکل کر شعوری سوچ اختیار کرنا ہے۔ روحانی بالیدگی اور فکری بیداری کے پہلو کو اگر مد نظر رکھا جائے تو سیرت طیبہ میں اس کی عملی مثال:

" عَنْ عَائِشَةَ , أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّهُمْ شَأْنُ الْمَرْأَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ , فَقَالُوا: مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , فَقَالُوا: مَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ , حِبُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ أُسَامَةُ , فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللَّهِ " , ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ , فَقَالَ: " إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ , أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ , وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ , وَايْمُ اللَّهِ , لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا " [10]

کو مولانا ابو الکلام آزاد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"لوگو! تم سے پہلی قومیں اس لیے ہلاک کی گئیں کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو لوگ اسے چھوڑ دیتے پر جب کوئی عام آدمی چوری کرتا تو اسے سزا دیتے لیکن خدا کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اس کے ہاتھ ضرور کاٹے جاتے۔"۔[11]

یہاں روحانی اور فکری بیداری کا نہایت مؤثر انداز میں اظہار ملتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے سابقہ اقوام کی تباہی کا بنیادی سبب عدل و انصاف میں امتیاز کو قرار دے کر مخاطبین کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا کہ معاشرے کی اصلاح اسی وقت ممکن ہے جب قانون سب کے لیے یکساں ہو۔ "جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو لوگ اسے چھوڑ دیتے" اور جب کوئی عام آدمی چوری کرتا تو اسے سزا دیتے" کے ذریعے معاشرتی ناانصافی کی واضح تصویر پیش کی گئی ہے، جبکہ "خدا کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اس کے ہاتھ ضرور کاٹے جاتے" میں قانون کی برابری اور عدل کی قطعی اہمیت کو انتہائی پُر اثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ الفاظ انسان کے اندر احتساب، ذمہ داری اور انصاف کا شعور بیدار کرتے ہیں اور اسے ذات، خاندان، مرتبے اور تعلقات سے بالاتر ہو کر حق و انصاف قائم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ یوں عبارت نہ صرف روحانی طور پر خوفِ خدا اور جواب دہی کا احساس پیدا کرتی ہے بلکہ فکری سطح پر مساوات، عدل اور قانون کی بالادستی کا شعور بھی اجاگر کرتی ہے۔

٦۔ جذباتیت:

حضور اکرم ﷺ کی محبت، شفقت، حق گوئی اور عہد کی پاسداری کے واقعات کے ذریعے قاری کے جذبات کو مؤثر انداز میں متاثر کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ کی محبت و شفقت کا ذکر دل میں عقیدت اور محبت کے جذبات پیدا کرتا ہے، جبکہ آپ ﷺ کی حق گوئی انسان کو صداقت اور راست گفتاری کی طرف مائل کرتی ہے۔ اسی طرح عہد کی پابندی کے واقعات آپ ﷺ کے کردار کی عظمت اور اصول پسندی کو نمایاں کرتے ہیں۔ ان اوصاف کے بیان میں ایسی سادگی اور تاثیر پائی جاتی ہے کہ قاری محض معلومات حاصل نہیں کرتا بلکہ حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے محبت، عقیدت، احترام اور وابستگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ یوں سیرتِ طیبہ کے یہ واقعات جذبات کو بیدار کر کے دل میں محبتِ رسول ﷺ

کو گہرا کرتے اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کا شوق پیدا کرتے ہیں۔ مشکل ترین حالات میں بھی عہد کی پابندی جس کا ذکر حدیث مبارکہ میں بیان ہوا ہے۔

"بَعَثَنْنِي قُرَيْشٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُلْقِيَ فِي قَلْبِي الْإِسْلَامُ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي وَاللَّهِ لَا أَرْجِعُ إِلَيْهِمْ أَبَدًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" إِنِّي لَا أَخِيسُ بِالْعَهْدِ وَلَا أَحْبِسُ الْبُرُدَ، وَلَكِنْ ارْجِعْ فَإِنْ كَانَ فِي نَفْسِكَ الَّذِي فِي نَفْسِكَ الْآنَ فَارْجِعْ"، قَالَ: فَذَهَبْتُ ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمْتُ"[12]

مولانا ابوالکلام اپنے مخصوص انداز میں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "قریش نے ایک شخص کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں قاصد بنا کر بھیجا۔ وہ آپ ﷺ کی صورت مبارک دیکھتے ہی اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور بے اختیار پکار اٹھا "اب اس چوکھٹ کو چھوڑ کر قیامت تک نہ جاؤں گا" لیکن چونکہ قاصدوں کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جاتا اور ان کے ساتھ ایک خاص معاہدے کی پابندی لازمی ہے اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا: میں عہد شکنی نہیں کر سکتا۔ تم سر دست تو واپس جاؤ۔ اگر تمہارے دل میں اسلام کی محبت ہے تو پھر واپس آ سکتے ہو۔ وہ پیغام لے کر گیا، پھر پلٹ کر آیا اور اسلام لایا۔"[13]

یہاں جذباتیت کا عنصر حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے پُرکشش کردار اور عہد کی پاسداری کے واقعے کے ذریعے نمایاں ہوتا ہے۔ قریش کے قاصد کا آپ ﷺ کے مبارک روپ اور اسلام سے متاثر ہو کر وہیں رکنے کی خواہش ظاہر کرنا، اس امر کی عکاسی کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی شخصیت میں ایسی روحانی کشش تھی جو مخالف سمت سے آنے والے شخص کے دل کو بھی متاثر کر دیتی تھی۔ دوسری جانب حضور ﷺ کا ذاتی جذبات سے بالاتر ہو کر معاہدے کی پابندی اور عہد شکنی سے گریز کرنا آپ ﷺ کی اصول پسندی کو نمایاں کرتا ہے۔ قاصد کو واپس بھیجنے کا واقعہ اور اس کا بعد میں دوبارہ حاضر ہو کر اسلام قبول کرنا عبارت میں ایک موثر جذباتی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ اس واقعے سے قاری کے دل میں حضور ﷺ کی شخصیت کے لیے محبت، عقیدت، احترام اور جذباتی وابستگی پیدا ہوتی ہے، جبکہ عہد کی پاسداری اور کردار کی عظمت انسان کو اخلاقی اصولوں پر قائم رہنے کی ترغیب دیتی ہے۔ یوں واقعے کی ترتیب اور پُراثر الفاظ سیرتِ نبوی ﷺ سے جذباتی تعلق کو مضبوط کرتے ہیں۔

۷۔ کردار سازی:

کردار سازی سے مراد انسان کی شخصیت میں اچھے اخلاق، مثبت عادات، اعلیٰ اقدار اور ذمہ داری کے احساس کو پیدا کرنا ہے۔ یہ عمل فرد کو ایک بااخلاق، باکردار اور معاشرے کے لیے مفید انسان بنانے میں مدد دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے معاشرتی کردار سازی میں جو کردار ادا فرمایا، وہ رہتی دنیا تک اپنی مثال آپ رہے گا۔ حدیث مبارکہ میں

" عَنْ الْمَعْرُورِ بْنِ سُوَيْدٍ ، قَالَ: رَأَيْتُ أَبَا ذَرٍّ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلَى غُلَامِهِ مِثْلُهَا فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ، قَالَ: " فَذَكَرَ أَنَّهُ سَابَّ رَجُلًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَعَيَّرَهُ بِأُمِّهِ، قَالَ: فَأَتَى الرَّجُلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ إِخْوَانُكُمْ وَخَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدَيْهِ، فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ عَلَيْهِ"[14]

"معرور بن سوید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا، انہوں نے ایک (عمدہ) جوڑا پہنا ہوا تھا اور ان کے غلام نے بھی ویسا ہی جوڑا پہنا ہوا تھا۔ میں نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں انہوں نے ایک شخص (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) کو برا بھلا کہا تھا اور ان کی ماں کی وجہ سے انہیں عار دلائی تھی (یعنی طعنہ دیا تھا)۔ وہ شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس کا ذکر کیا۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے (ابوذر رضی اللہ عنہ سے) فرمایا:

"تم ایسے انسان ہو جس میں ابھی کچھ جاہلیت (کے اثرات) باقی ہیں۔ یہ (ملازمین اور خادم) تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے انہیں تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ اس لیے جس کا کوئی بھائی اس کے ماتحت ہو، اسے چاہیے کہ جو خود کھائے وہی اسے کھلائے، اور جو خود پہنے وہی اسے پہنائے، اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو، اور اگر ایسا کوئی مشکل کام ان کے ذمے لگاؤ تو خود بھی ان کی مدد کرو۔"

اس حدیث مبارکہ میں بیان شدہ واقعہ کو تلخیصی انداز میں پیش کرتے ہوئے مولانا ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں:

"ایک صحابی نے اپنے غلام کو مارا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے بھائی ہیں، جنہیں خدا نے تمہارے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ جو خود کھاؤ، وہ انہیں کھلاؤ، جو خود پہنو، وہ انہیں پہناؤ۔"[15]

اس اقتباس میں کردار سازی کے متعدد اہم عناصر نمایاں ہوتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا غلام کو مارنے سے منع کرنا اور اسے 'تمہارے بھائی'' قرار دینا انسانی مساوات، احترامِ انسانیت اور حسنِ سلوک کا درس دیتا ہے۔ اسی طرح 'جو خود کھاؤ، وہ انہیں کھلاؤ، جو خود پہنو، وہ انہیں پہناؤ'' کے الفاظ میں ہمدردی، مساوات، ایثار اور دوسروں کے حقوق کی پاس داری جیسے اعلیٰ اخلاقی اوصاف اجاگر ہوتے ہیں۔ اس تعلیم کے ذریعے انسان کو اپنے ماتحت افراد کے ساتھ رحم، محبت اور عزت سے پیش آنے کی ترغیب ملتی ہے۔ عبارت فرد میں عدل، شفقت، احساسِ ذمہ داری، مساوات اور ایثار جیسی صفات پیدا کرتی ہے، جو ایک متوازن اور باکردار شخصیت کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ یوں حضور ﷺ کی یہ مختصر مگر جامع ہدایت فرد کے اخلاقی رویے کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھتی ہے جس میں انسان اپنے زیرِ دست افراد کو بھی عزت اور بنیادی حقوق فراہم کرتا ہے۔

۸۔ ترنم اور غنائیت:

"سیرت کے عملی پہلو" میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس کتاب میں "ترنم" اور "غنائیت" کے الفاظ کا صراحتاً استعمال نہیں ہوا، تاہم آپ ﷺ کی گفتگو، عملی زندگی اور معاملات نرمی، اعتدال اور شیریں بیانی سے متصف ہیں۔

" عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: ذَكَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفُرُشَ، فَقَالَ:" فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ وَفِرَاشٌ لِلْمَرْأَةِ وَفِرَاشٌ لِلضَّيْفِ وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ "[16]

مولانا ابوالکلام آزاد حدیث مبارکہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عدی بن حاتم بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو چمڑے کا ایک گدا تھا جس میں کھجور کی پتی بھری ہوئی تھی، وہی عدیؓ کی طرف کھسکا دیا، خود زمین پر بیٹھ گئے۔ عدیؓ نے حضور ﷺ کے روبرو گدے پر بیٹھنا خلافِ ادب سمجھا۔ چنانچہ دورانِ گفتگو میں گدا حضور ﷺ اور عدیؓ کے درمیان پڑا رہا۔ فرمایا کرتے تھے، گھر میں ایک بستر اپنے لیے، ایک بیوی کے لیے اور ایک مہمان کے لیے کافی ہے، چوتھا شیطان کا حصہ ہے۔"[17]

عدی بن حاتمؓ کی آمد پر حضور اکرم ﷺ کا اپنے لیے موجود گدے کو ان کی طرف سرکا دینا اور خود زمین پر بیٹھ جانا آپ ﷺ کی بے مثال سادگی، تواضع اور مہمان نوازی کا مظہر ہے۔ اسی طرح گھر میں بستر کے بارے میں یہ ارشاد کہ "ایک بستر اپنے لیے، ایک بیوی کے لیے اور ایک مہمان کے لیے کافی ہے" ضرورت کے مطابق سامان رکھنے اور غیر ضروری آسائش سے اجتناب کی تعلیم دیتا ہے۔ "چوتھا شیطان کا حصہ ہے" کا مفہوم بھی اسراف اور زائد از ضرورت سامان سے بچنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس واقعے سے حضور ﷺ کی زندگی میں قناعت، سادگی، تواضع اور دنیاوی نمود و نمائش سے بے نیازی کے عناصر نمایاں ہوتے ہیں، جو اسلامی طرزِ زندگی کی اعتدال پسندی اور پاکیزگی کو اجاگر کرتے ہیں۔ ایک بستر، ایک بیوی اور ایک مہمان میں ایک کی تکرار سے ترنم بھی پیدا ہوتا ہے۔ ایک کے ساتھ چوتھا کا لفظ اور مہمان و شیطان کا قافیہ بھی ترنم میں اضافہ کرتا ہیں۔

۹۔ ظلم کے خلاف مزاحمت:

ظلم کے خلاف مزاحمت سے مراد ناانصافی، جبر اور حق تلفی کے خلاف آواز بلند کرنا اور مظلوم کی حمایت کے لیے عملی کردار ادا کرنا ہے۔ یہ عدل، مساوات اور انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے کی جانے والی جدوجہد کا نام ہے۔

" كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " إِذَا أَمَّرَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْ سَرِيَّةٍ أَوْصَاهُ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللَّهِ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا، ثُمَّ قَالَ: اغْزُوا بِاسْمِ اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ اغْزُوا، وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا " [18]

مولانا آزاد اس حدیث مبارکہ کو مدنظر رکھ کر لکھتے ہیں:

"آنحضرت ﷺ جب کسی شخص کو کسی فوج کا سپہ سالار مقرر فرماتے اسے خدا سے ڈرنے اور مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کرتے۔ پھر فرماتے کہ خدا کی راہ میں خدا کا نام لے کر لڑو! جن لوگوں نے خدا کا

انکار کیا ہے ان سے جہاد کرو لیکن مالِ غنیمت میں کسی قسم کی خیانت نہ کرنا، عہد کی پابندی کرو، بے وفائی نہ کرو، کسی کے ہاتھ، پاؤں، کان، ناک نہ کاٹو! بچوں کو قتل نہ کرو۔[19]

اس عبارت میں ظلم کے خلاف مزاحمت کا واضح اور مضبوط تصور موجود ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا سپہ سالاروں کو اللہ سے ڈرنے، مسلمانوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور خدا کی راہ میں ان لوگوں کے خلاف جہاد کرنے کی ہدایت دینا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ظلم، جبر اور باطل قوتوں کے سامنے خاموشی اختیار نہیں کی جانی چاہیے۔ تاہم اس مزاحمت کو اخلاقی اور انسانی حدود کا پابند رکھا گیا ہے؛ اسی لیے مالِ غنیمت میں خیانت سے منع کرنا، عہد کی پابندی، بے وفائی سے اجتناب، انسانی اعضا کاٹنے سے ممانعت اور بچوں کے قتل سے روکنا جنگ کے دوران بھی انسانی حقوق اور اخلاقی اصولوں کی پاسداری کو ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح عبارت میں مزاحمت کا مقصد محض دشمن کو شکست دینا نہیں بلکہ ظلم کا مقابلہ کرتے ہوئے عدل، انسانی حرمت، عہد و امانت اور اخلاقی اصولوں کا تحفظ قرار پاتا ہے۔ یوں حضور ﷺ کی تعلیمات ظلم کے خلاف جدوجہد کے ساتھ ساتھ اس جدوجہد کے لیے اخلاقی حدود بھی متعین کرتی ہیں۔

خلاصۂ بحث:

زیرِ نظر تحقیق میں مولانا ابوالکلام آزاد کی تصنیف سیرتِ رسول کے عملی پہلو کے تناظر میں سیرتِ نبوی ﷺ کے انقلابی اور تحریکی پہلوؤں کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ کیا گیا۔ تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا آزاد کے نزدیک سیرتِ رسول ﷺ محض تاریخی واقعات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک زندہ، متحرک اور عملی نظامِ حیات ہے، جو فرد کی فکری و اخلاقی اصلاح اور معاشرے کی اجتماعی تشکیل کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

مولانا آزاد نے سیرتِ نبوی ﷺ میں عمل، جدوجہد، خود اعتمادی، مقصدِ حیات، صبر، استقامت اور احساسِ ذمہ داری کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ ان کے نزدیک حقیقی انقلاب صرف سیاسی اقتدار کی تبدیلی نہیں بلکہ فکری، اخلاقی، روحانی اور اجتماعی اصلاح کا نام ہے۔ اسی لیے وہ اسوۂ نبوی ﷺ کو فرد اور معاشرے کی پائیدار تبدیلی کے لیے عملی نمونہ قرار دیتے ہیں۔

مولانا آزاد کی تعبیرِ سیرت میں قیادت، مشاورت، اجتماعی نظم، قربانی، ایثار اور اتحاد تحریکی کامیابی کے اہم عناصر ہیں۔ وہ دعوتی و اصلاحی جدوجہد میں مشکلات اور مخالفتوں کو فطری مراحل سمجھتے ہیں اور صبر و استقامت کو کامیابی کی بنیادی شرط قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تحریک محض جذباتی جوش نہیں بلکہ واضح فکر، مضبوط اخلاقی کردار اور مؤثر عملی حکمتِ عملی کے امتزاج کا نام ہے۔

حاصلِ بحث یہ ہے کہ مولانا آزاد کی سیرت نگاری میں فکر و عمل، اصلاح و جدوجہد، اخلاق و قیادت اور فرد و اجتماع باہم مربوط ہیں۔ ان کے نزدیک سیرتِ رسول ﷺ ماضی کے واقعات سے آگاہی کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ عصرِ حاضر کے فکری، اخلاقی اور اجتماعی مسائل کے حل اور تعمیری تبدیلی کے لیے ایک مؤثر اور دائمی رہنما اصول ہے۔ حاصلِ بحث یہ ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کی سیرتِ رسول کے عملی پہلو میں سیرتِ نبوی ﷺ ایک متحرک، اصلاحی اور تحریکی قوت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ حرکت، جدوجہد، اصلاح، قربانی، اتحاد، قیادت، مشاورت، صبر، استقامت اور اجتماعی ذمہ داری ان کے فہمِ سیرت کے بنیادی عناصر ہیں۔ ان کے نزدیک اسوۂ رسول ﷺ کی حقیقی معنویت اسی میں ہے کہ اسے

زندگی کے عملی مسائل، اجتماعی اصلاح اور تعمیری جدوجہد کے لیے رہنما اصول کے طور پر اختیار کیا جائے۔ یوں مولانا آزاد کی تعبیرِ سیرت نہ صرف اپنے عہد کے مسلمانوں کے لیے فکری و عملی بیداری کا ذریعہ تھی بلکہ موجودہ دور میں بھی اصلاحی، اخلاقی اور تعمیری تحریکوں کے لیے ایک مؤثر فکری بنیاد فراہم کرتی ہے۔

نتائج تحقیق:

- اس تحقیق سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے نزدیک سیرتِ رسول ﷺ محض تاریخی واقعات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک زندہ، متحرک اور عملی نظامِ حیات ہے، جس سے فرد اور معاشرہ دونوں کی اصلاح اور تشکیل ممکن ہے۔
- آزاد نے سیرتِ نبوی ﷺ کے مطالعے میں ان پہلوؤں کو خصوصی اہمیت دی ہے جو انسان کے اندر عمل، جدوجہد، خود اعتمادی اور مقصدِ حیات کا شعور پیدا کرتے ہیں۔ ان کے ہاں سیرت کا بنیادی مقصد محض عقیدت کا اظہار نہیں بلکہ اسوۂ رسول ﷺ کو عملی زندگی میں نافذ کرنا ہے۔
- سیرتِ رسول ﷺ کے مطالعے سے مولانا آزاد نے یہ تصور اخذ کیا کہ حقیقی انقلاب صرف سیاسی اقتدار کی تبدیلی کا نام نہیں، بلکہ فکری، اخلاقی، روحانی اور اجتماعی اصلاح سے عبارت ہے۔ ان کے نزدیک پائیدار تبدیلی کے لیے انسان کے باطن اور کردار کی اصلاح بنیادی شرط ہے۔
- تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا آزاد نے سیرتِ نبوی ﷺ میں اجتماعی نظم وضبط، قیادت، مشاورت، قربانی اور ایثار کو تحریک کی کامیابی کے بنیادی عناصر کے طور پر دیکھا ہے۔ ان کے نزدیک کوئی بھی اصلاحی یا تحریکی جدوجہد مضبوط اخلاقی کردار اور اجتماعی نظم کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔
- رسول اکرم ﷺ کی دعوتی جدوجہد کے حوالے سے مولانا آزاد نے صبر، استقامت اور مسلسل جدوجہد کو نمایاں کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ تحریکی عمل میں وقتی مشکلات اور مخالفتیں منزل کی راہ میں رکاوٹ نہیں بلکہ جدوجہد کے فطری مراحل ہیں۔
- سیرتِ رسول ﷺ کے انقلابی پہلوؤں کے مطالعے سے مولانا آزاد مسلمانوں میں اعتمادِ نفس اور احساسِ ذمہ داری پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ماضی کی عظمت پر فخر کرنے کے بجائے اسوۂ نبوی ﷺ سے رہنمائی حاصل کرکے حال کے مسائل کا عملی مقابلہ کرنا ضروری ہے۔
- یہ تحقیق واضح کرتی ہے کہ مولانا آزاد کی سیرت نگاری میں حرکت، جدوجہد، اصلاح، اتحاد، قربانی، قیادت اور اجتماعی ذمہ داری ایسے بنیادی عناصر ہیں جو ان کے تحریکی رجحانات کی تشکیل کرتے ہیں۔

- مولانا آزاد کا تحریکی تصور محض جذباتی جوش پر مبنی نہیں بلکہ فکر و عمل کے امتزاج پر قائم ہے۔ وہ ایسی جدوجہد کے قائل ہیں جس میں نظریاتی وضاحت، اخلاقی کردار اور عملی حکمتِ عملی تینوں موجود ہوں۔

- **References:**

---

[1] Muhammad Mian Siddiqui, "Urdu Zabān Mein Chand Aham Kutub-e-Sīrat," *Fikr-o-Nazar*, nos. 1–2 (Islamabad: Institute of Islamic Research, 1992), 264

[2] Maḥmūd Khālid Anwar, *Urdu Nasr Mein Sīrat-e Rasūl* (Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1979), 240.

[3] Mian Mukhtār Aḥmad Khaṭṭāna, foreword to *Sīrat Ke ʿAmalī Pehlū*, by Maulānā Abū al-Kalām Āzād (Lahore: Maktaba Jamal, 2011), 10.

[4] Abū al-Kalām Āzād, *Sīrat-e Rasūl Ke ʿAmalī Pehlū* (Lahore: Maktaba Jamal, 2011), 26.

[5] Al-Qurʾān, 10:16.

[6] Abū al-Kalām Āzād, *Sīrat-e Rasūl Ke ʿAmalī Pehlū*, 34.

[7] Muḥammad ibn Ismāʿīl al-Bukhārī, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Kitāb al-Zakāh, Dār Ṭawq al-Najāh, Cairo, 2:120, ḥadīth no. 1479.

[8] Abū al-Kalām Āzād, *Sīrat-e Rasūl Ke ʿAmalī Pehlū*, 51.

[9] Ibid. 56.

[10] Muslim ibn al-Ḥajjāj, *Ṣaḥīḥ Muslim*, Kitāb al-Ḥudūd, (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, n.d.), 3:1315.

[11] Abū al-Kalām Āzād, *Sīrat-e Rasūl Ke ʿAmalī Pehlū*, 148.

[12] Sunan Abi Dawud, Kitab al-Jihad, Hadith No. 2758

[13] Azad, Abul Kalam. Seerat-e-Rasool Ke Amali Pehlu (Lahore: Maktaba Jamal, 2011), p. 136.

[14] Muslim ibn al-Ḥajjāj, *Ṣaḥīḥ Muslim*, Kitāb al-Īmān, (Lahore: Dār al-Salām, 2010), 4:289, ḥadīth no. 4314.

[15] Abū al-Kalām Āzād, *Sīrat-e Rasūl Ke ʿAmalī Pehlū*, 148.

[16] Abū Dāwūd Sulaymān ibn al-Ashʿath al-Sijistānī, *Sunan Abī Dāwūd*, Kitāb al-Libās, (Lahore: Dār al-Salām, 2007), 611 ،ḥadīth no. 4142.

[17] Abū al-Kalām Āzād, *Sīrat-e Rasūl Ke ʿAmalī Pehlū*, 54.

[18] *Ṣaḥīḥ Muslim*, Kitāb al-Jihād wa-al-Siyar, (Lahore: Dār al-Salām, 2017), ḥadīth no. 4522.

[19] Abū al-Kalām Āzād, *Sīrat-e Rasūl Ke ʿAmalī Pehlū*, 131.